علامہ جلال الدین سیوطی

تاریخ اسلام کا ایک جید عالم اور ایک جلیل القدر مصنف

(از مولانا خالد کمال مبارکپوری)

(۱)

ساتویں صدی ہجری کے وسط میں تاتاریوں نے ہلاکو کی قیادت میں بغداد پر جو حملہ کیا وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے تاریخ کا سب سے بڑا عظیم سانحہ ہے، بغداد جو اسلامی تہذیب کا مرکز اور علم وفن کا گہوارہ تھا جس کے چپے چپے عالموں کے فیض سے معمور تھے ایک دم نیست و نابود ہوگیا۔ قصر عباسی کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور ایسے ایسے روح فرسا مظالم ڈھائے گئے کہ عالم انسانی چیخ اٹھا، خلیفہ کو قتل کر کے عباسی چراغ کو گل کر دیا گیا تلوار کے بے پناہ حملوں سے انسانیت کا جگر پارہ پارہ کردیا گیا۔ علمی ذخیروں اور بغداد کے تمدن اور اس کی شان وشوکت کو اس طرح پامال کیا گیا کہ وہ پھر سنبھل نہ سکی۔ یہ دیکھکر علماء نے وہاں سے سرکنا شروع کردیا، اور قرب وجوار کے مامون مقامات میں پناہ لی۔

یہ آفت محض بغداد ہی پر نہ ٹوٹی تھی، بلکہ اس وقت تمام اسلامی ممالک بے چارگی کے عالم میں سسک رہے تھے، عراق وفارس تاتاریوں کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے تھے، اندلس کی حکومت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہوگئی تھی، اسپانی ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر قابض ہوکر من مانی کررہے تھے، یمن کا حال بھی کچھ اچھا نہ تھا، زبید، عدن اور صنعاء میں تقسیم ہوکر اسکی شان وشوکت بھی رخصت ہوچکی تھی مغرب کی حکومتیں بھی غیروں کے ہاتھ میں پڑکر تباہ وبرباد ہوچکی تھیں لیکن مصر وشام یہ دو حکومتیں ایسی تھیں جو اس کشمکش سے علیحدہ ہوکر خالص علمی اور اسلامی خدمات انجام دے رہی تھیں اور اسلامی سیاست وثقافت کا مظاہرہ کررہی تھیں۔ علماء نے تباہ شدہ ممالک سے نکل کر انھیں دونوں حکومتوں کا رخ کیا، اور اس دیار کو حرم مامون سمجھ کر بود وباش اختیار کی اور یکسو ہوکر علمی بازار گرم کردیا۔

اس ہما ہمی کے عالم میں ظاہر بیبرس لئے آگے بڑھ کر مردہ حکومتوں میں روح پھونکنے کا پروگرام بنایا اور خلافت کو از سر نو زندہ کرنے کے بعد اپنی وراثت کو واپس لینے کا عزم مصمم کیا، لوگوں نے اس کا ساتھ دیا اور مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا، اس وقت سے قاہرہ کو ترکۂ اسلام کی حیثیت حاصل ہوئی۔ سلاطین نے غور وفکر کے بعد یہ طے کیا، اگر ہم کامیاب ہونا چاہتے ہیں اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ واپس لیںتا

چاہتے ہیں تو ہمیں اسلام اور علماء کا تعاون حاصل کرنا پڑے گا، کیوں کہ اُن کو ساتھ لئے بغیر کامیابی مشکل ہے لہذا انہوں نے علماء اور علم کی قدر دانی کی اور مدارس کی بُنیاد ڈالی، علماء کے لئے وظائف مقرر کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں طلبہ اطراف سے کھنچ کر قاہرہ میں جمع ہو گئے، جن کے طفیل مدرسہ صالحیہ، مدرسہ صلاحیہ، مدرسہ موید یہ، مدرسہ ظاہر یہ، مدرسہ ناصریہ اور مدرسہ کاملیہ، عالم وجود میں آئے، اور قرآن و حدیث، فقہ، تفسیر اور دوسرے علمی اسباق قاہرہ کے گلی کوچوں میں دئے جانے لگے۔ علم کی آبیاری اور علماء کی دلچسپی کے لئے خانقاہیں کھولی گئیں رباط بنائے گئے اور ان کے لئے سرکاری وقف اور آمدنی کے دوسرے ذرائع پیدا کئے گئے جن میں مشہور خانقاہیں شیخو، توصون، سعید السعداء وغیرہ ہیں، جن کو علامہ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ میں اور علامہ مقریزی نے المواعظ والاعتبار میں بالتفصیل بیان فرمایا ہے، انہیں مدرسوں کے معاون کی حیثیت سے مختلف کتب خانے مثلاً فاضلیہ، صالحیہ، محمودیہ، وغیرہ وجود میں آئے اور دوسرے علمی ادارے بھی طلاب کے مُطالعہ کے لئے کھولے گئے اور ہر ہر جگہ علوم ومعرفت کے شعبے قائم کئے گئے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قاہرہ، اسکندریہ، توص، اسیوط، دمشق، حلب، حمص، حماۃ وغیرہ علماء، وفضلاء، فقہاء ومحدثین، اور مفسّرین ومحققین سے معمور ہو گئے، جن میں سے، قسطلانی، نودی، ابن تیمیہ، نویری، سیوطی، عمری، سخاوی، مقریزی، ابن خلکان، ابن خلدون، ابن منظور، فیروز آبادی، ابن مالک، ابن ہشام وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اُس زمانہ کے علماء کا ایک خاص شعار یہ تھا کہ یہ ہر فن میں ماہر ہوتے تھے، ایک مؤرخ فقیہ بھی ہوتا، اور ساتھ ساتھ لغت، ریاضت، حدیث، تفسیر کا ماہر بھی ہوتا۔ وسائل کی فراہمی کے سبب ایک عالم اپنی پوری زندگی کو علم کی تحقیق وتلاش میں ہر قسم کے خدشات سے بالاتر ہو کر قربان کر دیتا، یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں نادر تصانیف اور جامع کتابیں وجود میں آئیں مثلاً صبح الاعشیٰ، نہایۃ الادب، مسالک الابصار، لسان العرب وغیرہ۔ الحاصل تقریباً تین صدیوں تک یہ علمی ترقی بڑی شان سے قائم رہی۔

(۲)

اسی علمی ارتقاء کے آخری دور میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ پیدا ہوئے، جنہوں نے بڑے بڑے علماء وفضلاء کو اپنے گرد وپیش پایا جن سے علوم وفنون حاصل کر کے خود اُن کو متحیّر کر دیا اور اپنا نقش زمانہ کے ذرّہ ذرّہ پر باقی چھوڑا وقت کے مشہور ومعروف اور اہلِ علم شیوخ سے علم حاصل کیا اور مروّجہ کتابوں کو پڑھ کر علوم وفنون میں ایسا ملکہ پیدا کیا کہ بیک وقت مورخ، محدّث، فقیہ، نحوی، لغوی، مفسّر سب کچھ بنے۔ آپ کی تصلیفات تقریباً ہر فن میں موجود ہیں۔ اور آپ نے تقریباً ہر موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔

ممالک اسلامیہ کا سفر کیا، جہاں گئے درس اور فتوے کا سلسلہ جاری رہا، ملحدین سے مناظرہ کیا اور ساری دُنیا میں اپنی دھوم مچا کر رکھ دی۔

عبد الفاخر فارسی، یاقوت حموی، خطیب، حافظ تقی الدین اور ابن حجرؒ کی تقلید کرتے ہوئے آپ نے بھی اپنی کتاب حسن المحاضرات میں اپنی مختصر سوانح عمری قلمبند فرمائی ہے۔ جس کو اختصار کے ساتھ قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(۳)

عبد الرحمٰن بن کمال ابی بکر بن محمّد بن سابق الدین بن فخر

عثمان بن ناظر الدین محمد بن سیف الدین خضر بن نجم الدین ابی صلاح ایوب بن ناصر الدین محمد بن الشیخ ہمام الدین خضیری سیوطی ؒ۔

میرے جد اعلیٰ ہمام الدین مشائخ طریقت اور بزرگانِ دین میں سے تھے۔ اور اُن کے بعد کے لوگ حاکم اور صاحب ریاست تھے، بعض قاضی تھے بعض محاسب، بعض امیر۔ شیخوں کی معیت میں تجارت کیا کرتے تھے، جنہوں نے ایک مدرسہ اسیوط میں بنوایا تھا اور اس کے لئے جائداد وقف کی تھی، اور بعض مالدار تھے، سوائے والد ماجد کے کسی اور کے متعلق مجھے اچھی طرح معلوم نہیں کہ انہوں نے کوئی علمی خدمت بھی کی یا نہیں۔ ہمارا خضیری لکھنا غالبًا بغداد کے ایک محلہ خضریہ کی جانب نسبت ہے بعض ثقہ حضرات نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے جد اعلیٰ عجمی یا مشرق کے رہنے والے تھے جس سے محلہ مذکور کی طرف ہمارا نسبت کرنا صحیح معلوم ہوتا ہے۔

ابتدائے رجب ۸۴۹ھ ہجری کو اتوار کے دن، مغرب بعد میں پیدا ہوا، والد محترم کی حیات کے زمانے میں مجھے شیخ محمد مجذوب کی خدمت میں لیجایا گیا جو اپنے وقت کے ایک بڑے ولی اور بزرگ تھے مشہد نفیسی کے قریب اُن کی قبر ہے اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت کرے۔

میری پرورش یتیمی کے عالم میں ہوئی، آٹھ سال سے کم کی عمر میں، میں نے قرآن حفظ کرلیا تھا اسکے بعد العمدہ اور منہاج الفقہا کو حفظ کیا۔ نحو ماہرینِ فن کی ایک جماعت سے حاصل کیا، فرائض میں نے اپنے زمانے کے مشہور و معروف فرائض داں علامہ شیخ شہاب الدین شارمساحی سے حاصل کیا جن کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کی عمر سو برس سے زیادہ ہے، خود انکی شرح اُن ہی سے پڑھی اور ۸۶۶ھ ہجری میں عربی میں درس دینے کی اجازت حاصل کرلی۔

اسی سال سے میں نے تصنیف و تالیف کا کام بھی شروع کیا، میری پہلی تالیف "شرح الاستعاذہ والبسملہ" ہے، میں نے اسے شیخ علم الدین بلقینی کو دکھلایا تو انہوں نے اس پر تقریظ لکھ دی اور فقہ کے لئے میں آخر دم تک ان کے ساتھ لگا رہا، ان کے مرنے کے بعد ان کے صاحبزادے کو پکڑا، اور اُن سے ان کے والد کی کتاب تدریب کو باب الوکالۃ تک پڑھا، اور کتاب الحاوی الصغیر کی سماعت ۔۔۔۔ تک۔ کتاب منہاج کی زکوٰۃ تک، کتاب التنبیہ کی زکوٰۃ تک، کتاب الروضہ کا کچھ حصہ باب القضاء تک، کتاب تکملہ شرح منہاج للزرکشی کا کچھ حصہ اور کتاب احیاء الموات وصایا تک کی۔ انہوں نے مجھے تدریس و افتاء کی اجازت ۸۷۶ھ میں دی۔ ۸۷۸ھ میں ان کے انتقال کے بعد شیخ الاسلام شرف الدین مناوی کی صحبت اختیار کی، ان سے کتاب منہاج کا کچھ حصہ پڑھا اور تفسیر بیضاوی شرح البہجہ اور اُس کے حاشیہ کے اسباق کی سماعت کی حدیث اور عربی زبان سیکھنے کے لئے علامہ تقی الدین شبلی حنفی کی صحبت اختیار کی، اور چار برس تک ان کے ساتھ رہا، انہوں نے میری کتاب شرح الفیہ لابن مالک اور جامع الجوامع پر تقریظ لکھی، میری علم دانی اور مہارت کی کئی مرتبہ کھُل کر داد دی، اور احادیث میں میرے قول کی طرف رجوع کیا۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ انہوں نے اپنی کتاب شرح شفاء میں ایک حدیث ابی جمرا سے معراج کے بارے میں بیان کی، اور اُس پر ابن ماجہ کا حوالہ دیا، مجھے اسکی سند کی تحقیق کی سوجھی، میں نے ابن ماجہ کو کھولا۔ لیکن مجھے وہ حدیث اس میں نہ مل سکی، میں نے پوری کتاب

پھر اُلٹ ڈالی، پھر بھی نہ ملی، تو میں نے سمجھا کہ میری نظر کا قصور ہے، اسی طرح تیسری اور چوتھی مرتبہ بھی بڑے غور و خوض سے تلاش کیا۔ لیکن ناکامی رہی، اتفاق سے وہ حدیث مجھے اسی سند کے ساتھ معجم الصحابہ لابن قانع میں مل گئی، میں اُسے لے کر شیخ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا، میری بات سُنکر کتاب شرح شفا سے ابن ماجہ کا نام کاٹ کر ابن قانع لکھ دیا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں اُن کی عظمت اور بڑھ گئی اور اپنی قدر بالکل ختم ہوگئی، میں نے اُن سے کہا کہ آپ نے کیوں کاٹ دیا آپ بھی تحقیق و تلاش کرتے شاید حقیقت آشکارا ہو جاتی؟ اُنہوں نے جواب دیا، نہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں ابن ماجہ برہان حلبی کی تقلید کی تھی۔ آپ کے مرنے کے بعد ہی میں نے اُن کا در چھوڑا۔

شیخ شبلی کی وفات کے بعد شیخ علّامہ محی الدین کافیجی کی خدمت میں چودہ برس تک رہا، اس مدّت میں ان سے فن تفسیر، اصول، معانی اور عربی ادب وغیرہ حاصل کیا اُنھوں نے مجھے اچھے لفظوں میں اجازت دی۔

شیخ سیف الدین حنفی کے درس میں بھی حاضر ہوا، اور کشاف، توضیح اور اس کی شرح، تلخیص المفتاح، اور عضد وغیرہ پڑھی۔

۸۶۶ھ ہجری سے میں نے تصنیف شروع کی، ابتک میری تصانیف و تالیفات کی تعداد ان کتابوں کے علاوہ جنہیں میں نے خود برباد کر دیا تقریباً تین سو (۳۰۰) تک پہونچی ہے۔

میں نے اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے شام و حجاز، یمن، ہند مغرب اور تکرور وغیرہ کا سفر بھی کیا ہے حج کے زمانہ میں جب میں نے آب زمزم پیا تو اُس وقت میرے سامنے چند مقاصد تھے جنھیں سامنے رکھ کر میں نے نوش جان کیا۔ اوّل یہ کہ فقہ میں میں شیخ سراج الدین بلقینی اور حدیث میں حافظ ابن حجرؒ کے مرتبہ کو پہونچ جاؤں۔

حدیث کا املاء ۸۷۲ھ ہجری کی ابتداء سے شروع کیا مجھے سات علوم میں اللہ کے فضل و کرم سے تبحر اور مہارت تامہ حاصل تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، اور بدیع کو عربوں کے طریقے سے، اہلِ عجم اور فلسفیوں کے طرز سے ہٹ کر حاصل کیا، ان سات علوم اور نقول و فقہ میں مجھے جتنا ملکہ اور تبحر حاصل تھا لوگ کہتے ہیں کہ دوسروں میں تو کیا خود تمہارے شیوخ میں بھی نہ تھا اور وہ حضرات بھی بیک وقت اتنے علوم کے حامل و ماہر نہ تھے۔ فقہ کے بارے میں البتہ میں کہتا ہوں کہ میرے اُستاد اس فن میں مجھ سے کہیں زیادہ وسیع النظر تھے۔ ان علوم کے علاوہ مجھے اُصول فقہ، جدل، تصریف انشاء، ترسیل، فرائض، قرأت طب وغیرہ میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا، اور ان میں سے بعض علوم تو بغیر اساتذہ کے حاصل کئے۔ البتہ علم الحساب میرے لئے بہت مشکل ہے اور میری دلچسپی سے کوسوں دُور، جب میرے پاس حساب کا کوئی مسئلہ آتا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ پر پہاڑ لاد دیا گیا ہے، اجتہاد کی تمام شرائط میرے اندر اللہ تعالےٰ نے پیدا کردی ہیں، یہ فخر اور تکبر کے طور پر نہیں، بلکہ تحدث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں، اگر میں چاہتا تو ہر فن میں کتابیں تصنیف کرتا اور اپنے اقوال اور عقلی و نقلی دلائل اس کے شواہد میں پیش کرکے، تمام اختلافی مسائل کو بھی بالتفصیل درج کرتا۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)۔

ابتداء میں میں نے کچھ منطق پڑھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اِس سے نفرت پیدا کردی، اور میں نے سُنا کہ ابن صلاح نے اِس کے حرام ہونے کا

فتوےٰ دیا ہے تو میں نے منطق بالکل ترک کر دی اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے مجھے علم حدیث جیسا مشرف علم عطا فرمایا۔

اُن شیوخ کی تعداد جن سے میں نے حدیث پڑھی اور روایت کی اور جنہوں نے مجھے اس کی اجازت دی بہت زیادہ ہیں، بالتفصیل ان کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے، اُن کی گنتی تقریباً ڈیڑھ سو تک پہنچتی ہے قرات وروایت کی وجہ سے مجھے سماع روایت کا بہت کم موقع مِلا۔

(۴)

وہ کتابیں جن کی تصنیف وتالیف کا سہرا آپ کے سر ہے حسن المحاضرۃ کی روایت کے مطابق تین سو ہیں، اور یہ عدد ان کتابوں کے علاوہ ہے جسے انہوں نے لکھ کر برباد کر دیا اور رجوع کر لیا جو مختلف علوم و فنون یعنی تفسیر، حدیث، قرأت، فقہ، لغت، ادب پر شامل ہیں۔

مستشرق عالم بروکلمان نے آپ کی تصانیف کو چار سو پندرہ (۴۱۵) شمار کیا ہے جن میں مطبوع و مخطوط دونوں شامل ہیں۔ اسی طرح فلوغل نے (۵۶۰) پانچسو ساٹھ بتلائی ہے، جمیل بیگ نے چھوٹی بڑی تصانیف کو ملاکر پانچسو چھیتر (۵۷۶) بتلائی ہے۔

ابن ایاس نے عصر غوری کے فوت شدہ علماء کے ذکر میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے تصانیف کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد چھ سو (۶۰۰) تک پہونچتی ہے، اسی طرح شعرانی نے طبقات میں لکھا ہے کہ آپ کی کتابوں کی فہرست میں چار سو ساٹھ (۴۶۰) کتابیں درج ہیں۔

آپ کی مطبوعہ کتابوں کی فہرست یوسف سرکیس نے اپنی معجم میں بانوے (۹۲) بتلائی ہے جو ۱۹۳۹ء تک طبع ہوئی ہیں، اس کے بعد بھی آپ کی بہت سی تصانیف طبع ہوئیں۔ بعض حضرات نے آپ کی ان مختلف علوم وفنون کی کثیر التعداد تصانیف دیکھ کر شک کا اظہار کیا، اور کہا کہ سیوطیؒ کی تصانیف اتنی زیادہ ہونا بعید از عقل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اُن میں سے بہت سی تصانیف سیوطی کے شیوخ کی ہیں جن میں انہوں نے کچھ تغیر وتبدل کر کے اپنی جانب منسوب کر لیا ہے اور مکتبہ مدرسہ محمودیہ کی اچھی اچھی معاصرین کی تصانیف کو اپنی بنالیا۔

سخاوی نے اپنی کتاب الضوء اللامع جلد چہارم ص۶۵ میں لکھا ہے کہ "سیوطی نے میری بہت سی علمی دولت پر دست درازی کی ہے اور میرے ہاں اُٹھنے بیٹھنے کے زمانے میں کافی مواد میرے ہاں سے لے گئے، مثلاً: الخصال الموجبۃ للاطفال، الاسمار النبویہ، والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، موت الانبیاء، اور ان کے علاوہ بھی بے شمار علمی دولت مجھ سے حاصل کی، بلکہ سیوطی نے تو مکتبہ مدرسہ محمودیہ اور علماء متاخرین و متقدمین کی بہت سی کتابوں میں معمولی تغیر وتبدل اور تقدم وتاخر کر کے اپنی طرف نسبت کر دیا، اور ان کے مقدمات میں ایسے مضامین لکھے، کہ معمولی پڑھا لکھا اس کی تمیز نہیں کر سکتا۔

سخاوی اگرچہ ایک عظیم مورخ، جلیل عالم ہیں لیکن یہ نہ بھولنا چاہئے کہ وہ سیوطی کے معاصر تھے اور ان دونوں کے درمیان اکثر اَن بَن رہتی تھی جیسا کہ ہر دور کے علماء میں یہ علمی کشمکش رہتی ہے لہٰذا سخاوی کا یہ قول مطلقاً تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ سخاوی کا ایک معاصر ابن ایاس ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ:۔

"سخاوی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اپنے معاصرین کو نیچا دکھلانے کی کوشش کی ہے"

لیکن سیوطیؒ نے ایک رسالہ "مقامۃ الکاوی علی تاریخ السخاوی"

میں اپنی برأت کردی اور اس کے ذریعہ بہت شہرت حاصل کی۔

سیوطی کی جانب ان کتابوں کی نسبت کوئی بعید نہیں کیوں کہ اکثر سوانح نگاروں و مورخین نے بہت سے علماء کی طرف اتنی کثیر تصانیف کی نسبت کی ہے۔ اور سیوطی کے بارے میں تو اس لئے اور بھی یقین ہوجاتا ہے کہ اُن کی بہت سی کتابیں چھوٹے چھوٹے رسائل کی شکل میں پائی جاتی ہیں، خود سخاوی نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ "سیوطی کی بعض تصانیف تو چند اوراق پر مشتمل ہیں لیکن اکثر تصانیف درمیانی ہیں اور ایک کاپی کی ضخامت رکھتی ہیں۔

سیوطی کی ایک مطبوعہ کتاب "الحاوی للفتاوی" جو فقہ، تفسیر، حدیث، اصول، نحو، اعراب اور دیگر فنون پر مشتمل ہے، ساڑھے سات سو صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔

بہر حال جبکہ سیوطیؒ کی تصانیف میں ہر قسم کی صغیر و کبیر کتابیں شامل ہیں تو پھر ہمارے لئے اُن کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، اور ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ تصانیف آپ ہی کی ہیں، پھر آپ کی وہ تصانیف جن میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں مثلاً اتقان فی علوم القرآن، المزہر فی علوم اللغۃ، ہمع الہوامع، الاشباہ والنظائر، بغیۃ الوعاۃ، اسباب نزول وغیرہ آپ کی عظمت شان و رفعت منزلت کے لئے کیا کم ہیں؟۔

(۵)

سیوطی تمام عمر تدریس اور فتوی میں لگے رہے اور تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا، الا یہ کہ کہیں سفر میں ہوں اور یہ ان کا محبوب مشغلہ ترک ہوگیا ہو لیکن جب سن رسیدہ ہو گئے اور بڑھاپے کا تصور دل و دماغ پر مسلط ہوگیا تو افتاء اور تدریس ترک کردیا اور لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر اپنے باغ میں سکونت اختیار کی، وہیں اللہ کی عبادت کرتے اور تصنیف و تالیف میں لگے رہتے تھے، اس حالت میں آپ نے ایک کتاب لکھی، جس میں فتاوے اور تدریس سے علیحدگی کے اسباب بیان فرمائے۔

آپ نہایت درجہ کریم و عفیف، صالح و متقی اور سنجیدہ تھے۔ آپ نے سلطان وقت کی طرف کبھی قدم نہیں اُٹھایا اور نہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے کسی وزیر و امیر کے دربار کا رُخ کیا، آپ اپنی خانقاہ شیخو میں پڑے رہتے اور دوسری طرف بالکل توجہ نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سلطان غوری نے ایک غلام اور ایک ہزار دینار آپ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے دینار تو لوٹا دیا اور غلام کو آزاد کرکے حجرۂ نبویؐ کا خادم بنا دیا۔ اور سلطان کے قاصد سے کہا کہ آئندہ تم ہمارے پاس کبھی ہدیہ نہ لانا اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو ان تحفہ تحائف سے بے نیاز کردیا ہے۔

امراء و وزراء آپ کی زیارت کے لئے آپ کے پاس آیا کرتے تھے اور آپ کی خدمت میں اپنے اپنے ہدایا و تحائف پیش کیا کرتے، لیکن آپ واپس کر دیتے تھے، صاحب النسا الباہر تکمیل النور السافر کا بیان ہے، کہ جب سیوطی کی وفات ہوئی تو کسی نے بھی آپ کے ترکہ سے تعرض نہ کیا، حالانکہ یہ زمانہ جور و ظلم کا زمانہ تھا سلطان غوری نے تو یہ کہا کہ جب شیخ نے اپنی زندگی میں ہماری کوئی چیز قبول نہ کی تو ہم کیوں ان کے ترکہ میں ہاتھ ڈالیں۔

(۶)

آپ کی وفات کے بارے میں شعرانی نے طبقات...

(بقیہ بر صفحہ ۳۴)

بقیہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ

میں لکھا ہے کہ سیوطی نے اپنی تمام مرویات و مؤلفات کی اجازت کا پروانہ میرے والد کے ہاتھ میرے لئے بھیجا، اُن کی وفات کے کچھ ہی دنوں قبل میں مصر گیا اور صحاح ستہ کی بعض کتابیں اور منہاج کا کچھ حصہ تبرکاً آپ سے پڑھا، چند ہی مہینوں کے بعد اُن کی وفات ہوگئی میں اُن کی نماز جنازہ میں شریک ہوا، جمعہ کی نماز کے بعد باغ میں اُن کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

آپ کی وفات ۱۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۱۱ھ جمعرات کو سحر کے وقت ہوئی، آپ کے بائیں ہاتھ میں شدید ورم ہوگیا تھا جس کا سلسلہ سات دن رہا، آپ نے اکسٹھ سال دس ماہ اٹھارہ دن کی عمر پائی، آپ کا عظیم الشان مقبرہ حوش قوصون میں باب القرافہ کے باہر واقع ہے۔